جذبات کا ترجمہ: اہمیت اور دشواریاں

ڈاکٹر عرفان عالم

پہلے چند باتیں ترجمے کے حوالے سے:

پچھلی صدی کے دوران جسمانی زبان چہرے کے تاثرات اور روّیے کی شکل میں جذبات کے اظہار کے ساتھ ساتھ انسانی جسم کے جذباتی ردعمل پر وسیع مطالعہ کیا گیا ہے۔ زبان علامتوں کا ایک نظام ہے، جو معاشرے میں تفہیم کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ خیالات ہمیشہ لسانی شکل میں مرتب ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی اندرونی سوچ کے معاملے میں بھی۔ جسمانی زبان رابطے کا ایک اہم حصہ ہے اور اشاروں اور حرکتوں کی شکل میں سامنے آجاتی ہے۔ یہ افراد کے اندر موجود لاشعوری احساسات کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ ان اشاروں میں پیغامات اور خیالات کی ترسیل ہوتی ہے۔ اشک بھی ترسیل کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح رنگ بھی ایک خاموش زبان ہے، جو فطرت کی فصاحت و بلاغت سے ترتیب دی گئی ہے۔ ہر رنگ میں ایک روحانی اثر ہوتا ہے، جو انسان کے جذبات اور احساسات پر نفسیاتی اثرات مرتب کرتا ہے۔ اب رنگ میں پھول اور پھولوں میں جمال اور خوشبو زبان کے مختلف حسوں کی آمیزش

ہیں۔جن کے پس پشست ایک تہذیب کارفرما ہوتی ہے۔بقول ناظر وحید:

رنگ درکار تھے ہم کو تری خاموشی کے
ایک آواز کی تصویر بنانی تھی ہمیں

یوں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خاموشی کی بھی اپنی ایک زبان ہے،لیکن خاموشی بظاہر موجود رہنے کا ایک عمل ہے،لیکن متحرک رہنے کا عمل نہیں ہوسکتا۔متحرک رہنے کا عمل بولنے کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بات کرنا بالکل دوسروں کے لیے موجود رہنے کے ساتھ ساتھ متحرک رہنے کا عمل بھی ہے اور انسانی شناخت کی نشو ونما کا اہم عنصر گفتگو ہے اور اس طریقہ کار میں زبان محض سمع خراشی تک محدود نہیں، بلکہ اس کے بنیادی کردار کو بڑے پیمانے پر دستاویزی شکل دی گئی ہے۔ چونکہ حقیقت میں انسان بات چیت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ایسے میں انسانی روح سے رابطے کے امکان کو ختم کرنا،ایک غیر انسانی مظہر ہے۔

زبان انسانوں کے لیے ایک بہت بڑی طاقت ہے اور اس کی موجودگی ہماری زندگی میں اتنی عمومی ہے کہ ہم اس کے اثر سے جیسے بے خبر ہیں۔ ماہرنفسیات ڈینیل گولمین(Daniel Goleman) (1) اپنے کام میں جذباتی ذہانت کا استدلال پیش کرتے ہوئے اس کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں کہ کسی کے جذبات کو نام دینے کے قابل ہونا ان پر قابو پانے کی ایک علامت ہے۔ یہاں میں باور کرانا چاہتا ہوں کہ درحقیقت تحریری اور تقریری مہارت لسانی ذہانت کا اہم اور نمایاں پہلو ہے اور یہ زبان میں جذباتی ذہانت کی اور راہ ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔زبان میں جذباتی ذہانت ایک مسلسل عمل ہے، جو کئی ہزار سال پرانا ہے، بلکہ جب سے زبان وجود میں آئی ہے۔لیکن اگر ہم اس اصطلاح کے استعمال اور اس کے

فروغ کی بنیاد پر جذباتی ذہانت کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جذباتی ذہانت کے علم کا آغاز 1990 میں پیٹر سیلووی (Peter Salovey) اور جان ڈی مائر (John Mayer) سے ہوا تھا۔(2)

مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر متحرک زبان میں جذباتی ذہانت کامیابی کو آسان بنانے میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے، جیسا کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مخصوص شخصیت کی خصوصیات والے لوگ عام طور پر بہتر سماجی زندگی رکھتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔ وہ بھرپور جذباتی زبان استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے جذبات کو دوسروں تک پہنچانے کے قابل بناتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب ہم کسی دوست یا عزیز کو دیکھتے ہیں یا دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں، تو ہم اپنی خوشی کا اظہار آج کل ایک مروج لفظ "زیارت" سے کرتے ہیں۔ جیسے "بڑے دنوں بعد آپ کی زیارت ہوئی"۔ لفظ "زیارت" استعمال کرنے سے لوگ الفاظ کا ایک بھرپور مجموعہ استعمال کرتے ہیں جو مخاطب کے جذبات کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ تہذیب کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ چونکہ یہاں زیارت کے وسیع معنی ہیں، جس میں ایک مکمل تہذیب کا بیانیہ پوشیدہ ہے، یوں ایسا کہنے سے مخاطَب پر مثبت جذبات کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے مختلف وجوہات کی بنا پر محاوروں کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، جیسے کسی کو بہت دیر کے بعد دیکھنے پر یہ الفاظ ادا کرنا کہ تم تو عید کا چاند بن گئے ہوں۔

حالیہ دہائیوں میں جذباتی ذہانت کو انتظامی امور کے سب سے عام طریقوں میں سے ایک سمجھا جاتا رہا ہے۔ انتظامی امور کے شعبے میں اس حوالے سے جامع لفظیات اور اصطلاحات سامنے آنے لگی ہیں۔ جذباتی ذہانت رکھنے والے

افراد میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ مخاطب کو اپنی اور کمال ہنرمندی سے کھینچتے ہیں۔ ایسی صلاحیت کو انتظامی امور میں ریڑھ کی ہڈی سمجھی جاتی ہے۔اس کے علاوہ روزمرہ کی عام بول چال میں بھی اس کی اپنی اہمیت ہے۔مثال کے طور پر، کسی کے پسندیدہ لمحات، چیزوں، رنگوں اور کھان پان کو یاد رکھنا۔ اور پھر اسے دوران ملاقات اِن باتوں کی یاددہانی کرانا، یہ سب چیزیں انسان کو خوشی دے سکتی ہیں، لیکن اصل میں یہ خوشی خلا میں نہیں ملتی، بلکہ اس کی وضاحت کے لئے ایک مناسب زبان درکار ہے اور اس زبان میں اول الذّکر کی بھرپور وضاحت جذباتی ذہانت کی علامت ہے۔عام طور پر یہ زبان شاعری میں استعمال ہوتی ہے۔کبھی کبھار ایک مصرعہ ایک طویل گفتگو سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جذباتی ذہانت کا ترجمہ ہوسکتا ہے۔جذباتی ذہانت کو تین اجزاء سے جوڑا جاتا ہے؛ علمی جزو، جسمانی جزو، اور روّیے کا جز، اور یہ طریقہ ہمیں زبان کی اخلاقیات کا درس دیتا ہے۔مزاج (mood) اور ذہنی حالت کو ہمہ وقت قابو میں رکھنے کی صلاحیت کے پس پشت زبان کارفرما ہے۔جذباتی ذہانت کے ترجمے کے دوران، مترجم کو مواد کی اصلی سطح کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنی ہوتی ہے، اس کے لئے صحیح آلات، مضامین اور تحقیق کا استعمال کرنا پڑتا ہے، تاکہ جذباتی ذہانت کی علمی، ثقافتی اور عملی صحت برقرار رہے۔جذباتی ذہانت کے دوران، ہم مواد کی سائنسی سطح کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے، صحیح آلات، مضامین اور تحقیق کا حوالہ دے کر اور کسی حد تک ان کا استعمال کرتے ہوئے ہم ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔لیکن یہ ایک مشکل ترین عمل ہے۔

راقم نے اپنے اس مقالے کے پہلے حصے میں لفظ "زیارت" کا استعمال کیا

تھا۔ اگر ہم اردو سے کشمیری یا انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کریں، تو عام طور پر اس کے معنی انگریزی میں ''pilgrimage'' لئے جا سکتے ہیں جس کے اصل معنی یہ ہو سکتے ہیں " کسی مقدس مقام کا سفر " جو رقم کئے گئے لفظ سے قدرے مختلف ہیں، حالانکہ وسیع تر معنوں میں دونوں معانی میں ایک وسیع معنویت سما سکتی ہے۔ جس زیارت کے حوالے سے یہاں بات کی گئی اس کے اصل معنی دیکھنے یا دیدار کے ہیں، جو کسی مقدس مقام کے سفر کا مقصد ہوتا ہے۔ یوں دونوں معنی قریب ہیں، لیکن ان معنوں کو جب ترجمے کے ذریعے دوسری زبان کے لوگوں کو سمجھایا جائے تو وہاں معانی کے خلط ملط ہونے کے قوی امکانات نظر آتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے یہاں کشمیری میں ایک اہم نام "لل دید" کا ہے۔ لل دید ہماری ثقافت کا ایک اہم حصہ ہے۔ لفظ لل دید کشمیری زبان میں عام بول چال کی سطح پر ایک سے زیادہ معنی میں مستعمل ہے۔ اگر ہم کسی کشمیری تصنیف کا ترجمہ کر رہے ہوں، ایسے میں ہمارے سامنے لل لفظ کے بہت سارے ایسے انسلاکات سامنے آئیں گے جن کا ترجمہ کرتے وقت وضاحت کی ضرورت محسوس ہوگی۔ جیسے ایک جملہ "زن چھکھ لل" (جیسے آپ لل دید ہیں) یا "میہ وچھ لل" (میں نے لل دید دیکھی) یا "سہ چھ لل" (وہ لل دید ہے)۔ ان کا ترجمہ اردو میں اس طرح بھی متوقع ہے؛ جیسے " آپ لل ہیں" یا" میں نے لل دیکھی" یا" وہ لل ہے"۔ یہاں میں یہ بات عرض کرتا چلوں کہ پنجاب یا بہار یا دنیا کے باقی حصوں میں لل دید ثقافت کا حصہ نہیں ہے، وہ لوگ لل دید کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح ایک کشمیری "میرا" کو جانتا ہے۔ اب جب اول الذکر الفاظ کا ترجمہ غیر کشمیری قارئین اردو میں پڑھیں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ جس عورت کی بات ہو رہی ہے وہ لل دید ہے۔ لیکن اصل میں اس کے

معنی یہ نہیں ہے۔ بلکہ ان میں مذکورہ عورت کا صبر و برداشت ہے مضمر ہے، جس کا وہ خانگی ظلم و بربریت پر کے جواب میں اظہار کررہی ہے۔ یوں معنی ترجمہ میں زائل نہیں بلکہ فوت ہوسکتا ہے۔ ایسے میں ایک الگ بلکہ غلط پیغام دوسرے زبان کی قارئین تک پہنچ سکتا ہے۔

اس جذباتی زبان میں کئی ایک باتوں یا چیزوں کا ترجمہ ممکن ہی نہیں۔ ہم یہاں "لل دید" کی طرف دوبارہ لوٹتے ہیں، جن چیزوں کا لل دید کے حوالے سے ذکر ہمارے معاشرے میں ہوتا آیا ہے، ان میں ایک اہم لفظ "نیلہ وٹھ" (پتھر کا چھوٹا ڈھلا) ہے۔ دراصل لل دید نہایت خاموشی سے سسرال کے غیر انسانی سلوک کو برداشت کرتی رہیں۔ دن بھر کی گرہستی کے بعد ہمیشہ پیٹ کے لالے پڑتے۔ روز بھات کی تھالی میں پتھر کا ایک ڈھلا یا "دستہ" ملتا تھا۔ لیکن حرف شکایت لب پر کبھی نہ آتا اور وہ باقی برتنوں کے ساتھ ساتھ اس پتھر کے ڈھلے کو بھی دھو کر باورچی خانے میں واپس رکھا کرتی تھی۔ جب سہیلیوں نے حال پوچھا، تو صرف اتنا کہا۔

ہونڈ ماری تن کنہِ مارتن کٹھ

للہِ نلہ وٹھ ژلہِ نہ زانہہ

جس کا ترجمہ کچھ یوں کیا جاسکتا ہے:

"بھیڑ ذبح ہو یا مینڈھا لل کے مقدر میں پتھر کا یہ ڈھلا ہی ہے۔"

جہاں تک اردو میں کشمیری زبان کے ترجمے کی بات ہے تو یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ اس حوالے سے مترجم کشمیری ہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ غیر کشمیری کے لیے کشمیر کی لسانی ثقافت کو سمجھنے میں ایک عمر درکار ہے۔ جس طرح ثقافت زبان کو متاثر کرتی ہے، اسی طرح زبان بھی ثقافت کو متاثر کرتی ہے۔ زبان مسلسل بدلتی رہتی ہے اور بڑی حد

تک اس کے بولنے والوں کے خیالات، اقدار اور رسم و رواج پر منحصر ہوتی ہے۔ کسی زبان کو اس سے وابستہ ثقافت کو سمجھے بغیر ترجمہ کرنا ایپل (Apple) کے شوروم پر "سیبوں" کی خریداری کرنے کے لئے جانے کے مترادف ہے۔ یہ زبان اور ثقافت دونوں کا سچ ہے کہ کسی زبان کو مکمل طور پر سیکھنے کے لیے، مترجم کو اس زبان کی ثقافت کو بھی سمجھنا اور سیکھنا چاہیے۔ ثقافت سے واقفیت مترجم کو زبان کی داخلی بصیرت عطا کرے گی، جو آگے چل کر مترجم کو الفاظ اور اصطلاحات کے معنی کی گہری تفہیم فراہم کر سکتی ہے اور مترجم کے لیے دوسروں کے ساتھ زیادہ آسانی اور بہتر انداز میں بات چیت کرنے میں بھی معاون ثابت ہوگی۔

دو مختلف ثقافتوں کے درمیان فرق ان کی زبانوں میں اچھی طرح سے جھلکتا ہے۔ دو مختلف ثقافتوں کے یکساں معنی والی لفظیات میں اختلافات کا مطلب یہ باور کراتا ہے کہ مذکورہ ممالک کے لوگ مختلف طرح کی اقدار اور عقائد کے ساتھ پلے بڑے ہیں۔ مترجم کو ان اختلافات کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے ثقافتوں کی زبان میں اتر کر معنیٰ کی تہہ تک جانا پڑے گا۔ حال ہی میں افغانستان کے شہر کابل میں صدارتی محل پر جوں ہی طالبان نے قبضہ کیا،تو ٹیلی ویژن کے راست نشریہ کے وقت اکثر لوگوں کی نظریں صدراتی محل کے عقب میں آویزاں پینٹنگ کی اور بھی گئی ہوگیں، بلکہ اس پر مختلف ٹیلی ویژن چینلوں پر بحث و مباحثہ بھی ہوا۔ کابل کے صدارتی محل میں آویزاں یہ پینٹنگ نادر شاہ درانی کی عظمت کی داستان بیان کر رہی ہے، جبکہ ہندوستان یا دہلی کے حوالے سے وہ ایک حملہ آور ہی رہے گا۔ یوں دو مختلف ممالک کی زبانوں میں تصنیف ہونے والے ادب میں نادر شاہ کے کردار کا ترجمہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ چونکہ دونوں نادر شاہ سے واقف ہیں۔ اگر ثقافت

کے وسیع معنوں کے مخالف ایسی کسی تصنیف کا ترجمہ ہوا تو لٹیرا محافظ بن جائے گا اور محافظ لٹیرا۔

اگر آپ کسی ماہر لسانیات سے زبان اور ثقافت کے بارے میں بات کریں گے۔تو وہ شاید آپ کی توجہ سپیر وورف تھیوری (Sapir Whorf Theory) کی طرف دلائے گا۔ یہ نظریہ ایڈورڈ سپیر (Edward Sapir) اور اس کے شاگرد بنجمین وورف (Benjamin Whorf) نے پیش کیا ہے۔(3) یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس میں کسی ایک زبان کی بول چال اور ساخت اور اس زبان کے بولنے والوں کے خیالات کی اس کی ترسیل میں حصہ داری کو ظاہر کرتی ہے۔اس مفروضے کی رو سے ایک زبان کے جاننے والے دوسری زبان کے لوگوں کے خیالات کو سمجھ نہیں سکتے ہیں۔اس متنازع مفروضے کے پس پشت یہ دلیل دی گئی ہے کہ جو کچھ ایک قلم کار سوچتا ہے وہ اپنی زبان کے ذریعے سامنے رکھتا ہے، ترجمے کے ذریعے تو زبان کے سطحی معنی تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ ترجمے کے ذریعے کسی کی سوچ تک رسائی حاصل کی جائے اور سوچ کو صرف ثقافت ہی پڑھنے کی اہل ہو سکتی ہے۔

ماہرین لسانیات نے ذولسانیت اور شخصیت کے درمیان تعلق کا مطالعہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب دو مختلف اللسان اپنی زبان بدلتے ہیں تو انہیں زبان کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کے لیے اپنی شخصیت کو بھی بدلنا پڑتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ جب وہ کوئی بھی زبان استعمال کرتے ہیں تو وہ اپنے سوچنے کے انداز کو اسی زبان کی ثقافت میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ مقامی لوگ اسی زبان میں سوچتے ہیں۔

زیادہ مؤثر طریقے سے ترجمہ کرنے کے لیے، مترجم کے لیے ہدفی زبان کے لسانیاتی داؤ پیچ کے ساتھ ساتھ زبان کی ثقافت کو سمجھنا لازمی ہے۔ سماجی وثقافتی سیاق وسباق سے آگاہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مترجم کو زبان کے مقامی رنگ میں رنگنا ہوگا۔ بلکہ ہدفی زبان کے ثقافتی قواعد کا علم سیکھنے والوں کو شعوری طور پر فیصلہ کرنے کی اجازت دیتا ہے کہ کس طرح ایک بہتر مترجم بنا جاسکتا ہے۔

ہر زبان میں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہوتی کہ کئی ایک جگہ الفاظ کی ساخت میں مماثلت اوراس کے معنی میں واضح فرق نظر آجاتا ہےاور ایسے الفاظ کے معنی میں فرق ایک یا زیادہ حروف کی نقل وحرکت میں یا پھر جملوں کی بناوٹ کے فرق کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ جس کے اثرات سیدھے ترجمے پر پڑھ سکتے ہیں۔اس لئے مترجم کو زبان کے لسانی برتاو پر گہری نظر ہونی چاہئے، تاکہ ترجمے کی روح مجروح نہ ہونے پائیں۔

اب ہم یہاں واپس لل دید کے حوالے سے کشمیری زبان کے ترجمے کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اس حوالے سے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب تک نہ مترجم نے ثقافتی سطح پر کشمیری زبان کا مطالعہ کیا ہوگا، تب تک ایک بہتر ترجمہ ممکن ہی نہیں ہے۔ جیسے کہ ایک اصطلاح، "نلہ وَٹھ" کی بات کی گئی۔ مترجم ترجمہ یہ کرے گا کہ "لل کے کھانے میں پتھر کا ڈھلا ہی ملے گا"۔ لیکن قاری اس کی اصل حقیقت تک نہیں پہنچ پائے گا اور اگر کشمیر کے ایک عام آدمی کو بھی یہ شعر سنایا جائے گا تو اپنے دل کو تھامتے ہوئے، اُس کا ذہن سسرال میں ایک بہو پر ہونے والے ظلم کی طرف جائے گا۔

دوسرے لفظوں میں، جسے ہم جذباتی ذہانت کہتے ہیں عام طور پر نفسیات

اور روّیے کے مختلف شعبوں کا اجماع ہے۔اب ایک اور مسئلہ ترجمہ کے حوالے سے ہمارے سامنے یہ درپیش ہے کیا ان معنوں میں انسان کے مختلف شعبوں کا ترجمہ مصنوعی ذہانت کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔مجھے مشتاق یوسفی کی بات یاد آرہی ہے کہ "جب میں کسی عورت کے بارے میں سنتا ہوں کہ وہ خوبصورت بھی ہے اور پارسا بھی ہے تو میرا دل بیٹھ سا جاتا ہے"۔(4)

حوالہ جات:

1. *Emotional Intelligence*, 1995, Daniel Goleman, Bantam Books.
2. **Salovey and Mayer's Emotional Intelligence Theory.**
3. *Whorf Hypothesis*, 2009, -The Sapir VerlagRenate Giesbrecht, GRIN
4. آب گم،مشتاق احمد یوسفی،ص65۔

☆☆☆